ڈاکٹر علی کاوُسی نژاد

استاد شعبہ اردو،یونیورسٹی آف تہران، ایران۔

سہراب سپہری اور مجید امجد کی شاعری میں فطرت نگاری کا مطالعہ

Dr. Ali Kavousi Nejad
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Tehran

A Study of Naturalism in the Poetry of Sohrab Sepehri and Majeed Amjad

These days we find a growing tendency of comparative studies in Urdu and Persian Literature; thus there are a number of poets in Urdu and Persian who can be subjected to comparative studies. Poetry of Sohrab Sepehri and Majeed Amjad has a lot in common, such as love for nature that can be seen in the poetic works of both the poets. If Sohrab Sepehri closely relates himself to the city of Kashan and its natural landscape, Majeed Amjad too is fond of rural beauty. Both the poets have an unsurpassable affection for the nature and its relative phenomena. Both the poets are fond of natural environment and show a certain degree of dislike for mechanical age. In this study we'll be discussing the importance of naturalism in the poetry of the said poets.

آج کل کی علمی دنیا میں بین اللسانی ادبی فن پاروں کے تقابلی مطالعے کا رجحان بڑھتا نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں اردو فارسی شاعروں اور تخلیق کاروں کی تخلیقات کا تقابلی مطالعہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ بیسویں صدی اردو فارسی ادب کی تاریخ میں اہمیت کی حامل رہی ہے کہ جہاں اس زمانے میں اردو نظم نگاری کی ہیئت اور موضوعات میں تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ن۔ م راشد اور میراجی جیسے نظم نگاروں نے نئے نئے موضوعات کو اردو نظم کا حصہ بنایا وہیں ہمیں فارسی شعر و ادب میں روایتی شاعری سے روگردانی نظر آتی ہے۔ نیما یوشیج جو فارسی نظم نو کے بانی سمجھے جاتے ہیں انہوں نے غزل اور کلاسیکی شاعری کی ہیئت اور موضوعات میں بنیادی تبدیلیاں کیں اور دوسرے بہت نظم گو شاعر بھی نیما کے نقش قدم پر چلنے لگے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جس زمانے میں فارسی نظم گوئی میں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں اس وقت ن م راشد اقوام متحدہ کی طرف سے ایران میں بطور افسر تعلقات عامہ متعین تھے انھوں نے ایران کے نظم گو شاعروں سے ملاقاتیں کیں اور

رفتہ رفتہ ان کی فارسی نظموں کو اردو کے سانچے میں ڈھالا۔ راشد چونکہ خود شاعر تھے اور نظم گوئی کی نزاکت اور باریکیوں سے بخوبی واقف تھے اس لیے انھوں نے بائیس فارسی شاعروں کی اسّی نظموں کا اردو منظوم ترجمہ کیا۔ انھوں نے اپنی منظوم ترجمہ کو "جدید فارسی شاعری" کا عنوان دیا۔ یہ ترجمہ نیما یوشیج سے لے کر احمد رضا احمدی تک کی نظموں کے منظوم ترجمے پر مبنی ہے۔ اس میں ن م راشد نے سہراب سپہری کی چار نظموں کا بھی اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔

جب ہم مجید امجد اور سہراب سپہری کی نظم نگاری کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو دنوں کی نظم نگاری میں ہمیں مماثلت نظر آتی ہے۔ سہراب سپہری ایک نقاش نظم گو شاعر ہیں جو اپنی مادری زبان کے علاوہ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے وہ عرصہ دراز تک یورپ کی فضا میں رہے اس کے علاوہ سہراب نے مشرقی ممالک انڈیا، پاکستان، جاپان اور افغانستان کا بھی سفر کیا۔ سہراب نے سنہ ۱۹۶۱، اور سنہ ۱۹۶۳ میں انڈیا کا سفر کیا اور اس سفر کے دوران ممبئی، بنارس، دلّی، آگرہ اور کشمیر کی سیر کی۔ بدھ مت کے فلسفے نے سہراب پر اپنے بہت اثرات چھوڑے اور یہ اثرات ان کی نظموں میں صاف نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے سنہ ۱۹۶۳ء میں پاکستان کا سفر کرتے ہوئے کراچی اور پشاور میں قیام کیا۔(۱)

سہراب سپہری اور مجید امجد کی نظم گوئی میں جہاں دیگر ممتاز اور انفرادی خصوصیات نظر آتی ہیں وہاں فطرت کی عکاسی بھی ان دونوں سربرآوردہ نظم گو شاعروں کے ہاں ہمیں زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم مجید امجد اور سہراب سپہری کے یہاں فطرت نگاری کا تجزیاتی مطالعہ کریں ان مذکورہ شعرا کی ذاتی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں۔ جس طرح زیگمنڈ فرائیڈ نے انسانی زندگی کی تمام الجھنوں کا انسان کی اندرونی خواہشات سے وابستہ کیا ہے اسی طرح شاعروں کی ذاتی زندگی میں ایسی بہت سی خصوصیات موجود ہیں جن کی بنا پر وہ شاعری اور فطرت کے سائے میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

سہراب سپہری کی پرورش ایک امیر خاندان میں ہوئی جن کو زندگی کی ہر آسائش وراحت مہیا تھی اپنی خداداد صلاحیت کے بل بوتے پر ایران کے ایک معروف ومشہور مصور اور نظم گو شاعر کے طور پر ابھرے اس کی شہرت کا سارادار و مدار ان کی اپنی ذہانت اور دانائی پر ہے۔ سہراب سپہری نے پوری زندگی شادی نہیں کی اور کسی محبوبہ سے بھی ان کے عشق و محبت کی کہانی کبھی سامنے نہیں آئی۔ وہ ایک کم آمیز شخص تھے اور سرکاری ملازمت سے ہر وقت گریزاں رہے۔ انھیں مصوری میں ان کا دل خوب لگ چکا تھا اس لیے انہوں نے کبھی یورپ کا رخ کیا اور وہاں مصوری کی بین الاقوامی نمائشوں میں ان کی مصوری کے کام کی نمائش ہوئی کبھی بدھ مت کے فلسفے سے متاثر ہو کر جاپان، ہندوستان، پاکستان اور افغانستان کا سفر کیا ۔ن م راشد سپہری کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

"سپہری کے فکر پر مشرقی (خاص طور پر ہندو اور بودھ) فلسفے کا گہرا اثر پڑا ہے اور اسلوب بیان میں جاپانی اور چینی شاعری کا پرتو تلاش کرنا آسان ہے۔ سپہری کا رشتہ دوسرے جدید شاعروں کے مقابلے میں نیما سے قریب تر ہے۔ نیما کی طرح اس نے زندگی کے حسن، لطافت اور پاکیزگی کی حمد کہی ہے۔ سپہری کی شاعری میں وہ پراگندگی اور تضاد نہیں جو کئی اور جدید شاعروں کے کلام میں ملتا ہے۔ اس کی شاعری زندگی کی گہرائیوں اور وسعتوں کی خبر لاتی ہے۔ وہ زندگی کی سادہ حقیقتوں کے بیان کے ذریعے بعض دفعہ ماورا الطبیعی افکار وخیالات کی تخلیق کرتا ہے"۔(۲)

سہراب اپنے شہر "کاشان" سے حد درجہ لگاؤ رکھتے تھے ان کی نظم "صدای پای آب" اس بات کی نشاندہی کرتی ہے۔ ان کی تمام نظمیں "ہشت کتاب" کے نام سے شائع ہو چکی ہیں جس میں ان کے شعری مجموعے "مرگ رنگ"، "زندگی خواب ہا"، "آورا آفتاب"، "شرق اندوہ"، "صدای پای آب"، "مسافر"، "حجم سبز"، "ماہیچ مانگاہ" شامل ہیں۔ ان کی طویل نظم "صدای پای آب" کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

اسی طرح جب ہم مجید امجد کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں وہ ایسے شخص کے طور پر سامنے آتے ہیں جو بچپن سے ہی مہر پدری سے محروم نظر آتے ہیں جن کی پرورش ان کے نانا اور ماموں کی نگرانی میں ہوئی۔ ان کے نانا "نور محمد" اور ان کے ماموں "منظور علی فوقؔ" عالم اور دونوں فارسی شاعر تھے اور ان کی صحبت میں رہ کر مجید امجد نے اردو اور انگریزی کے علاوہ عربی، فارسی اور ہندی میں مہارت حاصل کی۔ مجید امجد کی ازدواجی زندگی ناکام رہی اور وہ اولاد کی نعمت سے محروم رہے اور زندگی کے آخری دن بھی کس مپرسی میں بسر کی۔ انسان اکثر اپنی ذاتی زندگی میں خاص محرومیوں کا شکار رہتا ہے۔ سہراب اور مجید امجد بھی اپنی محرومیوں سے فرار کا راستہ اختیار کرتے نظر آتے ہیں اور اس کی صدائے بازگشت ان کی نظم نگاری میں ہمیں سنائی دیتی ہے۔

سہراب سپہری جو فن مصوری کے بھی دلدادہ ہیں ماحول اور قدرتی مناظر نیز ماحول کی ہر اس چیز پر گہری نظر رکھتے ہیں جس میں اللہ تعالی کے آثار اور نشانات موجود ہوں۔ دوسرے لفظوں میں سہراب وحدت الشہودی فلسفے کے قائل نظر آتے ہیں اور ہر وقت بے جان اور جاندار اشیا کے وجود میں اپنے حقیقی رب کے متلاشی رہتے ہیں اور یہ امر ان کے ہاں ایک خاص فلسفے اور نظریے کے طور پر زندہ دکھائی دیتا ہے۔ سپہری کی نظم گوئی کی دوسری خاص خصوصیت یہ ہے کہ ہر لمحہ فطرت اور اس کے اجزائے ترکیبی میں تجسیم کی صنعت (Personification) پیدا کر دیتے ہیں، یہ ایسی خصوصیت ہے جو سپہری کی نظم گوئی کو اپنے عہد کے دوسرے ایرانی نظم گو شعرا سے الگ اور منفرد کر دیتی ہے۔ درخت، پرندہ، پتھر، پھول، پھل، کلی، تتلیاں ان کی نظموں میں ایک زندہ کردار کے حامل نظر آتے ہیں۔ اس نوعیت کی اچھی نظم "خواب تلخ" میں نظر آتی ہے۔

مرغ مهتاب می خواند
ابری در اتاقم می گرید
گل های چشم پشیمانی می شکفد
در تابوت پنجره ام پیکر مشرق می لولد
مغرب جان می کند،
می میرد (۳)

اردو ترجمہ:

چاند کا پرندہ چہچہاتا ہے
میرے کمرے میں کوئی بادل روتا ہے
پشیمانی کی آنکھوں کے پھول کھلتے ہیں

میری کھڑکی کے تابوت میں مشرق کا پیکر گھومتا ہے
شام جان دے رہی ہے
مر رہی ہے۔

سہراب سپہری بے جان اور جامد اشیاء میں جان بخشی کی خوبصورت کیفیت پیدا کر دیتے ہیں یہ ان کا فلسفہ ہے جس میں وہ ہر وقت منہمک رہتے۔ کبھی ان کے ہاں چاند کا پرندہ چہچہاتا ہوا نظر آتا ہے اور کبھی بادل چھوٹے کمرے میں اچانک رونے لگتا ہے اور شام جان دہی کی کیفیت میں مبتلا نظر آتی ہے۔ یہ وہ حالت اور کیفیت ہے جو سہراب سپہری کی نظم نگاری کی سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت ہے جسے جان بخشی کی شعری صنعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ خصوصیت سہراب کے ذہنی اور نظریاتی اصولوں کا نتیجہ ہے کہ ہر چیز میں اسے خدا نظر آتا ہے۔ بے جان اشیاء یکدم بولنے، چہکنے لگتی ہیں اور انسان جیسی حواس خمسہ کی نشانیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

سہراب چونکہ خود ایک مصور ہے اور ارد گرد کی دنیا پر اس کی گہری نظر ہوتی ہے، فطرت میں گھومنے اور اس کے رگ وپے سے بخوبی واقف ہے چنانچہ فطرت کی ہر چیز سے اسے محبت ہے۔ وہ قدرتی ماحول سے مانوس ہو کر اسے اپنانے کی کامیاب کوشش کرتا ہے۔

مجید امجد جب دو برس کے تھے ان کے والدین میں علیحدگی ہوئی اور ان کی پرورش ان کے ننھیال میں ہوئی اور اپنے نانا مولوی نور محمد اور ماموں منظور علی فوق جو دونوں شاعر تھے، سے زیادہ متاثر رہے۔ مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مجید امجد مہر پدری سے محروم رہے اور بعد میں انھیں ازدواجی زندگی میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ انھوں نے اپنی خالہ کی بیٹی سے شادی کی لیکن ان کی آپس میں بن نہ پائی اور وہ ایک دوسرے سے الگ رہتے تھے۔ اس کے علاوہ مجید امجد اولاد کی نعمت سے بھی محروم رہے۔ ایک جرمن لڑکی شالاط سے انھیں ایک طرح سے محبت ہوئی۔

مجید امجد چونکہ محکمہ ءخوراک سے وابستہ رہے اس لیے انھیں دیہی پنجاب کے کئی علاقوں میں رہنے اور فطری ماحول کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے انھوں نے بی۔ اے کر کے پہلے جھنگ اور ساہیوال کا رخ کیا اور پھر گاؤں کی فطرت سے قریب تر خوبصورت فضا میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ شاید وہ شہری زندگی سے گریزاں تھے اس لیے مجید امجد نے یہ مناسب سمجھا کہ فطری ماحول کو اپنا مستقبل بسیرا بنا لیں۔ مجید امجد کی شاعری میں فطرت نگاری کی بہت نمایاں خصوصیت نظر آتی ہے ۔ یہ خصوصیت سہراب سپہری کے ہاں بھی بہت اعلی درجے کی ملتی ہے اور سہراب کے ہاں ایک خاص فلسفہ بن کے سامنے آتی ہے۔

سہراب کو اپنے شہر "کاشان" سے بے حد محبت ہے اور وہ اس سے قریب رہنے کی بھی خواہش رکھتا ہے دوسری طرف مجید امجد نے اپنی اہلیہ سے عدم مفاہمت کی بنا پر اور ازدواجی زندگی میں ناکامی کی وجہ سے جھنگ کو چھوڑ کر ساہیوال میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنی اپنی جائے پیدائش کے بارے میں پیش کردہ خیالات سے بخوبی ہم پر یہ بات عیان ہو جاتی ہے کہ

سہراب کو "کاشان" سے بے حد لگاؤ ہے جبکہ اس کے برعکس مجید امجد محرومیوں کے سبب جھنگ کو کوئی اچھے الفاظ میں یاد نہیں کرتے۔

یہاں کلید حقیقت نہیں کسی کے پاس یہاں کے تحفے حسد اور عداوت اور افلاس
یہاں ارادہ وہمت کی وسعتیں محدود یہاں عروج وترقی کے راستے مسدود
ہر اک بشر ہے یہاں تنگدستیوں کے قریب بلندیوں سے بہت دور، پستیوں کے قریب (۴)

مجید امجد کو اپنی جنم بھومی سے اتنی محبت اور لگاؤ نہیں جتنی سہراب کو کاشان سے ہے۔ امجد کو جھنگ کے حسد، عداوت اور افلاس زدہ ماحول سے سخت نفرت ہے اور وہ ساہیوال میں مستقل طور پر قیام اختیار کر لیتے ہیں جہاں وہ عمر کے آخری لمحات کو بڑی کس مپرسی کے عالم میں گزار کر اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس کے برعکس سہراب کی نظم "صدای پای آب" میں کاشان کا ذکر بڑی خوبصورتی کے ساتھ آتا ہے:

اهل کاشانم
روزگارم بد نیست
تکه نانی دارم، خرده هوشی، سر سوزن ذوقی
مادری دارم، بهتر از برگ درخت
دوستانی، بهتر از آب روان (۵)

اردو ترجمہ:

کاشان کا رہنے والا ہوں
میری اچھی گذر بسر ہوتی ہے
روٹی کا ایک ٹکڑا ملتا ہے، ذرا سی ذہانت، تھوڑا سا ذوق رکھتا ہوں
ماں میری درخت کے پتوں سے بھی زیادہ پیاری
میرے بھی دوست بہتے ہوئے پانی سے بھی زیادہ مہربان

سہراب اپنی نظم میں نہ صرف کاشان سے بے حد پیار کا اظہار کرتے ہیں بلکہ وہ گوشت و پوست کی زندہ چیزوں کا تقابل فطرت میں موجود اشیاء کی مظاہر سے کرتے ہیں۔ ان کے ہاں درخت کے پتے اور پانی، پاکی اور محبت کی علامت بن کر سامنے آتے ہیں جو اپنے اندر خلوص، صدق وصفا کی خصوصیات رکھتی ہیں۔ علامت نگاری کے ذریعے وہ ہر ایک شی کے وجود میں نیکی اور اچھائی کی تلاش میں ہے۔

مجید امجد اور سہراب سپہری کی شاعری میں ایک اور مشترکہ خصوصیت فطرت اور اس کی ہر چیز سے محبت کا اظہار ہے۔ دونوں کی نظموں میں پانی، بارش، پھول، درخت، پتھر، چاند، ستارے، شام، تتلی وغیرہ کا ذکر ہر وقت ملتا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ دو نظم گو شعرا اپنے اردگرد کے ماحول پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور فطرت کی ہر چیز کو نئے نئے زاویے سے دیکھنے کے متلاشی ہیں۔ سہراب کے ہاں فطرت کے ذرات میں وحدت الشہودی فلسفہ نظر آتا ہے اور مظاہر فطرت یوں اس

کی ہر نظم میں رواں دواں ہیں جیسے ہر ایک شیء میں اسے خدا نظر آتا ہے۔ ان کی نظم "صدای پای آب" میں یہ کیفیت ہمیں بخوبی دکھائی دیتی ہے۔

من مسلمانم
قبله ام یک گل سرخ
جانمازم چشمه، مهرم نور
دشت سجاده من
من وضو با تپش پنجره ها می گیرم
در نمازم جریان دارد ماه، جریان دارد طیف
سنگ از پشت نمازم پیداست (٦)

اردو ترجمہ:

میں ایک مسلمان ہوں
میرا قبلہ گلاب کا ایک پھول ہے
چشمہ میرا مصلا ہے، روشنی میرا نماز کا نشان ہے
صحرا میرا مصلا ہے،
میں کھڑکیوں کی دھڑکنوں سے وضو کرتا ہوں
میری نماز میں چاند اور کرنیں وجود رکھتی ہیں
میری نماز میں بھی پتھر نمودار ہے

دیکھا جا سکتا ہے کہ سہراب کس خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ فطرت کے مظاہر کو علاماتی طور پر استعمال میں لاتے ہیں اور ان کی نماز میں فطرت کی ہر شے نمودار ہے۔ ان کا قبلہ گلاب کا ایک پھول ہے اور چشمہ ان کا مصلا، چاند اور اس کی کرنیں ان کی نماز میں نظر آتی ہیں۔ سہراب فطرت کی مظاہر سے اتنا متاثر ہو چکے ہیں کہ انھیں ہر شے کے وجود میں خدا نظر آنے لگتا ہے۔

گاؤں کی سحر انگیز فضا نے مجید امجد کو بہت بھاتی ہے۔ گاؤں کی فضا میں جو خاموشی اور سادگی میسر ہوتی ہے وہ شہروں میں ہر انسان کو میسر نہیں ہوتی۔ "بیساکھ"، "کنواں"، "دور کے پیڑ"، "بن کی چڑیا"، "کانٹے کلیاں" "ایک شام" اور ساتھ ساتھ اور بھی نظموں میں مجید امجد اچھے انداز میں فطرت میں موجود مظاہر کی خوبصورت عکاسی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ "بیساکھ" میں مجید امجد برصغیر پاک وہند میں موجود ایک پرانی روایت کی تصویر کشی کرتے ہوئے وہ اپنا رشتہ ناتا ماضی سے جوڑ دیتے ہیں۔ مجید امجد نہ صرف اپنے اردگرد کے ماحول اور فطرت کی ہر چیز پر باریک بین نظر ڈالتے ہیں بلکہ وہ اپنی نظموں میں ٹھیٹھ ہندی لفظوں کا بھی خوبصورت استعمال کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی بات سامنے آتی ہے کہ مجید امجد نے فطرت نگاری کرتے ہوئے ہندوستانی سرزمین اور اس خطے کی روایت سے بخوبی واقف رہ کر مقامی الفاظ کو اپنی نظموں میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ جہاں سہراب سپہری اپنی نظموں میں فطرت کی ہر چیز کو اپنے وحدت الشہودی فلسفے کو

بیان کرنے کے لیے استعمال میں لاتے ہیں وہاں مجید امجد فطرت کی حقیقی دنیا پر نظر ڈالتے ہوئے ہر شے سے ایک زمینی رشتہ قائم کرنے کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ سہر اب فطرت کو ایک مابعد الطبیعیاتی دنیا سے جوڑنے کی کاوش میں لگے رہتے ہیں جبکہ مجید امجد فطرت کے دامن میں قریب رہ کر زمینی حقائق بیان کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہاں نظم "بیساکھ" کے چند بند بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں جہاں مجید امجد اپنے گرد و پیش کے ماحول پر ایک فطری نگاہ ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں:

بیساکھ آیا، آئی فسوں زائیوں کی رُت
آئی حسین کلیوں کی برنائیوں کی رُت!
گاؤں کے مرد و زن نے اٹھائیں درانتیاں
آئی سنہری کھیتوں کی لائیوں کی رُت
گندم کی فصل کاٹنے کے خوشگوار دن
محنت کشوں کی زمزمہ پیرائیوں کی رُت (۷)

یہاں ہم دیکھتے ہیں مجید امجد نے بیساکھ کے موسم کی جو تصویر پیش کی ہے اس میں زیادہ تر حقیقی فضا کی تصویر کشی نظر آتی ہے۔ اسی طرح مجید امجد کو ہر اس زمینی شے سے محبت ہے جو ان کے ارد گرد کے ماحول کو خوبصورت بناتی ہے اور یہ خوبصورتی ان کے ہاں ایک ارضی اور فطری حقیقیت کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ مجید امجد کبھی " گھٹا" سے مخاطب ہو کر اپنے درد دکھ کا گلہ شکوہ اس سے کرتے ہیں اور اپنے دکھوں اور زندگی کی ناہمواریوں کی کہانی گھٹا کو سناتے ہیں:

یہ نزہتیں مری محفل سے اے گھٹا لے جا
یہ اپنی بجلیوں کے ارغنون اٹھا لے جا
میں سن چکا ہوں بہت تیری داستانیں، بس
خموش! مجھ کو نہیں راس تڑے نغموں کا رس (۸)

کتنی خوبصورتی سے شاعر " گھٹا" کو اپنے دکھ اور پریشانی کا قصہ سناتے ہیں اور یوں انھیں ایک طرح سے سکوں اور راحت ملتی ہے۔ جب انسان پر مشکل وقت آتا ہے تو وہ اپنے درد دکھ دوسرے انسانوں کو سنا تا بیٹھتا ہے۔ مجید امجد کا ایک خاص رویہ یہ ہے کہ وہ فطرت کے دامن میں رہتے ہوئے اپنے درد دکھوں کو زائل کرنے اور اپنے آپ کو تسلی دینے کے لیے بادلوں اور گھٹاؤں سے اپنے دل کی کہانی سناتے ہیں اور یوں انھیں سکوں ملتا ہے۔

مجید امجد فطرت کے دامن میں رہتے ہوئے اس سے متعلق تماتر لفظوں اور تراکیب سے بھی بخوبی واقف ہے۔ موسموں، پھولوں، پرندوں، فصلوں کی رنگارنگی کو بڑے اچھے انداز میں پیش کرنے کی مہارت رکھتے ہیں اگرچہ ان کے ہاں لفظوں کا ایک بڑ ذخیرہ موجود ہے جو موقع و محل کی مناسبت سے استعمال کرتے ہیں۔

سپہری کی شاعری میں سہل ممتنع کی کیفیت دکھائی دیتی ہے یعنی وہ ظاہری طور پر سادہ تراکیب و الفاظ استعمال میں لاتے ہیں لیکن جملوں کی بندش اور ان کے بین السطور سے ہمیں ایک خاص فلسفے کا سراغ ملتا ہے۔ وہ فطری اور زمینی تلازمات بروئے کار لاتے ہوئے مافوق الفطری افکار اور خیالات بیان کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ دیکھنے میں یہ الفاظ ہمارے گرد و پیش کے ماحول سے منسلک اور مربوط ہیں لیکن اصل میں سہراب ایک مافوق الفطری دنیا میں کھو گئے ہیں جو ہماری دسترس سے خارج ہے، نہ اسے چھو سکتے ہیں نہ اس کی تفہیم اتنی آسانی سے ہوتی ہے بلکہ اسے سمجھنے کے لیے غور و خوض کرنا پڑتا ہے۔ بدھ مت کے فلسفے سے متاثر ہوتے ہوئے سہراب ایک ان دیکھی اور عجیب دنیا کا متلاشی نظر آتے ہیں اس کی دنیا ہماری جان پہچانی فطری دنیا سے الگ اور ہماری ذہنی اپج سے کہیں اوپر دکھائی دیتی ہے۔ اپنی معروف نظم "صدای پای آب" میں زندگی کی ایک فلسفیانہ تعریف یوں پیش کرتے ہیں:

زندگی سوت قطاری است که در خواب پلی می پیچد
زندگی دیدن یک باغچه از شیشه مسدود هواپیماست (۹)

اردو ترجمہ:

زندگی، ایک ریل گاڑی کا ہارن ہے جو ایک سرنگ میں گونجتا چلا جاتا ہے
زندگی، ایک باغیچے پر ہوائی جہاز کی بند کھڑکی سے ایک نگاہ ہے

سہراب کی نظم گوئی میں اس طرح کی مبہم کیفیت نظر آتی ہے جس کی تفہیم اتنی آسانی سے نہیں ہوتی بلکہ انسان ورطہء حیرت میں مبتلا نظر آتا ہے۔ سہراب ہر چند اپنی نظم گوئی کے لیے اپنے اردگرد اور قدرتی ماحول سے الفاظ اور تراکیب تلاش کرتے ہیں لیکن اصل میں پیچیدہ اور فلسفیانہ امور کی طرف ہماری توجہ مبذول کرانے کی کوشش میں منہمک نظر آتے ہیں۔ سہراب کی نظم گوئی میں کہیں کہیں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں وہ انسانی رویوں اور اخلاقی ناہمواریوں پر بڑی کاری ضرب لگائی گئی ہے:

من ندیدم دو صنوبر را با هم دشمن
من ندیدم بیدی، سایه اش را بفروشد به زمین
رایگان می بخشد، نارون شاخه خود را به کلاغ

اردو ترجمہ:

میں نے کبھی نہیں دیکھا دو صنوبروں کا آپس میں بیر رکھنا
میں نے کبھی نہیں دیکھا، بید اپنا سایہ زمین کو بیچ دے
مفت میں، نارون اپنی ٹہنی کوّے کو بخشتا ہے (۱۰)

یہاں سہراب انسان کی فطرت اور طینت کا درختوں سے موازانہ کرتے ہیں اور قدرتی ماحول میں موجود درختوں اور پرندوں کی آپس میں مانوسیت اور دوستی کی ایک اچھی مثال ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں جہاں انسان دوسرے انسان کو برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا وہاں صنوبر، بید اور نارون اپنی ہر چیز مفت میں بخش دیتے ہیں اور ایک ایسی فطری نظام ہے

جو پوری کائنات میں موجود ہے لیکن انسان ہمیشہ عدم برداشت کا مظاہرہ کرتا ہوا فطری نظام کا ستیاناس کر دیتا ہے۔ نہ صرف انسان اپنے منفی اخلاقی رویوں سے دوسروں کی زندگی چھین لیتا ہے بلکہ نوبت یہاں تک آتی ہے کہ وہ نظام کائنات کو اپنی خلاف ورزیوں کے ذریعے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیتا ہے۔ آج کل زمینی و فطری حقائق سے روگردانی اور قدرتی ماحول کی ہر شے میں تبدیلی لانے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انسانی حیات پورے طور پر خطرے کی زد میں ہے۔

موجودہ دور میں جہاں پانی کی قلت ایک گھمبیر مسئلہ بن گیا ہے اور آنے والی انسانی نسلوں کے لیے ابھی سے خطرے کی گھنٹی بجنے لگی ہے وہاں سہراب نے پانی کی اہمیت اور پاکیزگی کو موضوع بنا کر ایک اچھی نظم "آب" کے نام سے تخلیق کی ہے جو اپنی جگہ بہت دلچسپ ہے۔۔

آب را گل نکنیم:
در فرودست انگار، کفتری می خورد آب
یا که در بیشه دور، سیره ای پر می شوید
یا در آبادی، کوزه ای پر می گردد
آب را گل نکنیم:
شاید این آب روان، می رود پای سپیداری، تا فرو شوید اندوه دلی
دست درویشی شاید، نان خشکیده فرو برده در آب (۱۱)

اردو ترجمہ:

پانی کو گدلا نہ کریں
بہاؤ کی طرف شاید کوئی کبوتر پی رہا ہو پانی
یا کسی دور جنگل میں کوئی بلبل کا چوزہ پر دھو رہا ہو
یا آبادی میں کوئی کوزہ بھرا جا رہا ہو
پانی کو گدلا نہ کریں
شاید یہ بہتا پانی، جا رہا ہو کسی سفیدے کی طرف تا کہ کسی کا غم دھو ڈالے
کسی درویش کا ہاتھ شاید سوکھی روٹی بھگو رہا ہو پانی میں (۱۲)

ن م راشد نے سہراب کی نظم "آب" کا منظوم اردو ترجمہ کیا اور جو کیفیت اور تاثر اصل فارسی نظم میں موجود ہے ٹھیک اسی طرح ہمیں اردو ترجمے میں دکھائی دیتی ہے۔ سہراب بڑی بے آلایشی اور نہایت نفاست کے ساتھ پانی کے وصف میں رطب اللسان ہیں، سہراب کی سوچ بڑی حد تک فلسفیانہ انداز پیش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان کی اس نظم میں پانی، حیات کا وہ سرچشمہ ہے جو چرند پرند اور انسان کو زندگی بخشتا ہے۔ سہراب کے اندیشے میں پانی نہ صرف عالم ہستی کی مخلوقات کے لیے حیات اور زندگی کا ایک اہم سرمایہ ہے بلکہ گاؤں میں رہنے والوں کی صفائی اور پاکی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کبھی سہراب کو کسی نہر کے کنارے میں بیٹھ کر پاؤں نہر کے ٹھنڈے پانی میں بھگوتے ہوئے سرور اور سرمستی کی کیفیت محسوس

ہوتی ہے۔ فطری ماحول سے وابستہ ہر چیز سہراب کی شاعری میں رچ بس چکی ہے۔ وہ اپنے قدرتی ماحول سے لاتعلق کیسے رہ سکتے ہیں۔

سہراب کے مجموعہ کلام "ہشت کتاب" کی نظموں کے ہر بند پر نظر ڈالی جائے تو وہاں قدرتی ماحول سے متعلق کوئی نہ کوئی چیز موجود ہے۔ فطری ماحول سے متعلق یہ عناصر سہراب کے ہاں کہیں استعارے کے طور پر استعمال اور کہیں حقیقی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ مجید امجد حقیقی اور زمینی حقائق سے زیادہ قریب ہیں۔ مثال کے طور ان کی نظم "توسیع شہر" میں وہ لہلہاتے ہرے بھرے کھیتوں کے بک جانے اور سایہ دار درختوں کے چیرے جانے پر سخت رد عمل کا اظہار کرتے ہوتے قدرتی ماحول پر آل آدم کی کاری ضرب پر نہایت غم زدہ نظر آتے ہیں۔

اگر مجید امجد کی نگاہ سے دیکھا جائے تو انسان اپنے قدرتی ماحول کی ہر چیز کو نیست و نابود کر کے نئی نئی بستیاں آباد کرنے کے پیہم عمل میں مصروف ہے، وہ اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مارنے کی ضد کر تا رہتا ہے۔ نہ اسے اپنے مستقبل اور آنی والی نسلوں کے بارے میں کوئی اندیشہ ہے نہ اسے اپنے قدرتی ماحول کو مزید بہتر بنانے کی کوئی فکر ہے۔ سب سائنسدان انسانی زندگی کے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہیں جبکہ انسان اپنے قدرتی ماحول میں تبدیلی لانے کے درپے ہے۔ سائنسدان کرہ الارض کی بگڑی ہوئی انسانی زندگی سے مایوس ہو کر انسان کی حیات اور بقا کو عالم ہستی کے دوسرے سیاروں میں تلاش کرنے لگے ہیں۔ کیا ان سیّاروں میں انسان کے لیے ہوا، پانی اور زندگی کی دوسری ضروریات موجود ہیں؟ خطرے کی گھنٹی تو بج گئی ہے اور مستقبل بعید میں کہیں انسان کو اس کرہ خاکی سے ہجرت کر کے دوسرے کُرّات میں رہنا پڑے گا۔ مجید امجد قدرتی ماحول سے انسان کی ناانصافی اور بے رخی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں:

بیس برس سے کھڑے تھے جو اس گاتی نہر کے دوار
جھومتے کھیتوں کی سرحد پر، بانکے پہرے دار
گھنے، سہانے، چھاؤں چھڑکتے، بُور لدے چھتنار
بیس ہزار میں بک گئے سارے ہری بھرے اشجار

آج کھڑا میں سوچتا ہوں اس گاتی نہر کے دوار
اس مقتل میں صرف اک میری سوچ، لہکتی ڈال
مجھ پر بھی اک کاری ضرب اک، اے آل آدم کی آل (۱۳)

یوں مجید امجد کی شاعری میں قدرتی ماحول سے محبت ہمیں واضح انداز میں نظر آتی ہے۔ وہ بیانیہ انداز اپنی نظم نگاری میں فطری عناصر اور مخلوقات سے محو گفتگو ہیں۔ اس طرح کی کیفیت سہراب کی شاعری میں بھی نظر آتی ہے وہ بید، سرو، نارون، کوّے، چمگادڑ، سورج، پانی، بارش، روشنی، شبنم، گل سرخ، پہاڑ، پتھر، گھاس وغیرہ۔۔۔ سے ہمیشہ گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ وہ ایک خیالی اور رومانی کیفیت سے گزرتے ہیں اور ایک خیالی دنیا بسانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ وحدت الشہودی فکر

وفلسفہ ان کے دل و دماغ میں ہر وقت چھایا رہتا ہے۔ جب مجید امجد اپنی نظم "اے ری چڑیا" میں اپنے دل کا غم و اندوہ ایک چڑیا کو سناتے ہیں تو جو مکالماتی انداز پیدا ہوتا ہے اس سے نظم کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہ تو میرے دل کا پنجرا ہے، تو اس میں
اپنی ٹوٹی پھوٹی خوشیاں ڈھونڈنے آئی ہے؟
پگلی، یہاں تو ہے ہیرے کی کنی کا چوگا
اور اک زخمی سانس اس پنجرے کی انگنائی ہے!

یہ مکالماتی انداز سہراب سپہری کی نظم گوئی میں بھی نظر آتی ہے جہاں وہ اپنی تنہائی میں ایک "مرغ معما" سے مخاطب ہو کر محو گفتگو رہتے ہیں۔ سہراب ایک مصور ہیں جو ہمیشہ اپنی مصوری کے لیے قدرتی ماحول سے کینوس تلاش کرتے ہیں۔ "مرغ معما" میں سہراب کا مکالماتی انداز اور ان کی تنہائی کی کیفیت واضح طور پر سامنے آتی ہے۔

دیر زمانی است روی شاخه این بید
مرغی بنشسته کو به رنگ معماست
نیست هم آهنگ او صدایی، رنگی
چون من در این دیار، تنها، تنهاست (۱۴)

اردو ترجمہ:

کئی عرصے سے اس بید کی ٹہنی پر
معمّے کے رنگ میں لبریز ایک پرندہ بیٹھا ہے
اس سے ملتا ہوا کوئی آواز، کوئی رنگ نہیں
وہ بھی میری طرح اس وادی میں اکیلا ہی رہتا ہے

ان دونوں شاعروں کی منتخب تخلیقات کے تقابلی مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مجید امجد اور سہراب سپہری کی شاعری زیادہ تر فطری اور قدرتی ماحول سے اثرات لیتی ہے۔ دونوں شاعر بیک وقت وہ اپنے ارگرد کے ماحول سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ سہراب فطرت کی ہر چیز میں اپنے رب کی تلاش میں منہمک رہتے ہیں اور انھیں ایک خیالی اور رومانی دنیا کی ہمیشہ جستجو رہتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سہراب فطرت کے عناصر کے ذکر سے وحدت الشہودی فلسفے کا بیان کرنا چاہتے ہیں تو غلط نہیں ہو گا۔ اس کے برعکس مجید امجد فطرت اور قدرتی ماحول کے عناصر کی مدد سے ارضی اور حقیقی دنیا میں بہتری لانے کے حق میں ہیں اور اپنے دکھ درد فطرت میں موجود جاندار اشیاء کو سناتے ہیں جس سے انھیں سکوں اور راحت ملتی ہے، اس طرح کی کیفیت سہراب کے ہاں بھی ہمیں نظر آتی ہے لیکن اس امر کی بہتر جھلک مجید امجد کی شاعری میں دکھائی دیتی ہے۔ دونوں نظم گو شعرا کے ہاں فطرت کی خوبصورت منظر کشی اور مرقع کشی موجود ہے۔

حوالہ وحواشی

۱۔ سہراب سپہری:۱۳۸۹ھ ش، ہشت کتاب، تہران، انتشارات راستین، ص۱۵

۲۔ ن۔م راشد:۱۹۸۷ء، جدید فارسی شاعری، لاہور، مجلس ترقی ادب، ص۲۱

۳۔ سہراب سپہری:۱۳۸۹ھ ش، ہشت کتاب، تہران، انتشارات راستین، ص۸۷-۸۸

۴۔ مجید امجد:۱۹۸۸ء، کلیات مجید امجد ءمرتبہ:ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریاءلاہور، ماورا پبلشرز، ص۵۸

۵۔ سہراب سپہری:۱۳۸۹ھ ش، ہشت کتاب، تہران، انتشارات راستین، ص۲۶۸

۶۔ ایضاً، ص۲۶۸

۷۔ مجید امجد:۱۹۸۸ء، کلیات مجید امجد ءمرتبہ:ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریاءلاہور، ماورا پبلشرز، ص۸۵

۸۔ ایضاً، ص۹۶

۹- سہراب سپہری:۱۳۸۹ھ ش، ہشت کتاب، تہران، انتشارات راستین، ص۲۸۲

۱۰۔ ایضاً، ص۲۸۰

۱۱۔ ایضاً، ص۳۲۷

۱۲۔ ن۔م راشد:۱۹۸۷ء، جدید فارسی شاعری، لاہور، مجلس ترقی ادب، ص۱۸۶-۱۸۷

۱۳۔ مجید امجد:۱۹۸۸ء، کلیات مجید امجد ءمرتبہ:ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریاءلاہور، ماورا پبلشرز، ص۳۴۶

۱۴۔ سہراب سپہری:۱۳۸۹ھ ش، ہشت کتاب، تہران، انتشارات راستین، ص۳۹